اقبال و رضا
کا
نظریۂ معراج



فردین احمد خان رضوی



النجم اسلامک میڈیا

اقبال و رضا

کا

نظریۂ معراج

گدائے کوئے رضویہ خاک پائے علما گرد راہ صوفیہ

فردین احمد خان رضوی غفرلہ

اہل سنت کی بے باک ترجمان

النجم اسلامک میڈیا

رابطہ قائم کریں: 8527632019,9837777689

چند جذبات

کلام امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے تو فقیر عہد طفلی سے ہی آشنا تھا۔ اور اس امر کی ایک بڑی وجہ شہر پیلی بھیت کی پر بہار اور عشق رضا میں معطر فضا ہے۔ دوسری وجہ خود شعر و شاعری سے شغل تھا۔ اسی ضمن میں مختلف شعرا کے دیوان نظر سے گزرے۔ مگر اردو زبان میں شاہ کار کلام مجھے اپنے ناقص مطالعہ کے مطابق حدائق بخشش اور کلیات اقبال لگے۔ گو کہ آج بھی علمائے اہل سنت کے کلام کا وقتاً فوقتاً مطالعہ ہوتا رہتا ہے۔ جس میں حضور حجۃ الاسلام و مفتئ اعظم و تاج الشریعہ علیہم الرحمہ کے کلام نمایاں ہیں۔ مگر جو کلام آج فقیر ناظرین کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے وہ کلام شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کا کلام ہے۔ اس کی کیا خصوصیات ہیں وہ تو آپ اس مختصر مضمون میں ملاحظہ کریں گے۔ یہاں مقصد حاشا و کلا کسی کو کسی سے چھوٹا دکھانا ہرگز نہیں ہے۔ نہ ہی امام احمد رضا کے کلام فیض ترجمان کا مقابلہ کرانے کا ہے۔ فقط کوشش یہ ہے کہ ان دونو ہستیوں کے کلام سے اہل اسلام کو واقف کرایا جائے۔ ہاں اگر بحیثیت نسبتا رضوی ہونے کے میں ذاتی زندگی میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کو فوقیت دے دوں تو اس کے لئے مجھے معاف کیا جائے۔ کہ عشق اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ تاہم ناظرین سے گزارش ہے کہ اگر کوئی خامی یا خطا پائیں تو فقیر کو ضرور متنبہ فرمائیں۔ اللہ ہم سب کو علم دین سیکھنے اور محبوب علیہ السلام سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گرد راہ علما

فردین احمد حنان رضوی

مدیر اعلی **النجم اسلامک میڈیا**

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جاؤں کہاں پکاروں کسے کس کا منہ تکوں
کیا پرسش اور جا بھی سگ بے ہنر کی ہے

رضاؔ

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

اقبالؔ

شاعر مشرق آقبال اور امام احمد رَضا علیہ الرحمۃ

کا نظریۂ معراج

نحمده و نصلي علی رسوله الكريم

شاعر مشرق کی شخصیت سے کون واقف نہیں۔ اپنے اشعار میں سوز و گداز۔ فکر و نظر کی پاکیزگی۔ خودی و خودداری کا درس۔ فلاح و کامیابی کی تدبیریں۔ اسلاف سے محبت اور رشتہ کو برقرار رکھنے کی تلقین۔ یہ سب اور بہت کچھ آقبال شاعر مشرق کے کلام میں نظر آتا ہے۔ یہ کلام روحانی بھی ہے اور عصر حاضر سے واقفیت اور دشمنان اسلام سے دوری رکھنے کا درس بھی دیتا ہے۔ آقبال چونکہ ایک سنی صحیح العقیدہ مسلمان خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ اور نسبتاً قادری بھی تھے اس لئے ان کا نظریۂ معراج وہی رہا جو کہ اہل سنت و جماعت کا ہمیشہ سے رہا ہے۔

ایک اور بہت دلچسپ بات یہ ہے کہ شاعر مشرق نے قلم کو فلاح قوم کے لئے وقف کر دیا تھا اور اسی جذبہ کے تحت انہوں نے کسی بھی موضوع کو چھوا تو اس میں مسلمان کو انتباہ ضرور کی ہے۔ کہ اے مسلم! اس بات سے درس عبرت لے۔ اے مسلم خود کو سرخرو اور سرفراز بنا۔ اپنے آپ کو اسلاف سے جدا مت کر۔ تقلید ائمہ کو ترک مت کر۔ بزرگوں سے رشتہ کو مضبوط رکھ۔ حضور علیہ اسلام کے دامن کرم کو مت چھوڑ۔

کلام آقبال کے تعلق سے اگر یہ کہا جائے تو بالکل غلط نہ ہو گا کہ یہ کلام نہ تو بزم شعرا میں داد و "واہ-واہ" کے وصول کے لئے لکھا گیا ہے اور نہ ہی مال و دولت کے حصول کے لئے۔ بلکہ یہ تو مسلمانوں میں شعور بیدار کرنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ آج ضرورت یہ ہے کہ امت کو اس مرد قلندر کے وہ اشعار اور کلام سنائے جائیں جن سے اس کے اندر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فلاح مؤمن کا پاک جذبہ پیدا ہو۔ اس کلام کے اندر ایک ایسی انوکھی تاثیر ہے کہ ایک ایک حرف بندۂ مؤمن کے دل میں پیوست ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہر بات بانگ درا ثابت ہوتی ہے۔ ہر ضرب میں ضرب کلیم کے جلوے نظر آتے ہیں۔ ہر کلمہ اسرار خودی کو فاش کرتا نظر آتا ہے۔ اور یہی ایک قلندر کی

پہچان ہوتی ہے کہ اس کا کلام لوگوں میں بیداری وشعور پیدا کرتا ہے۔ظاہر سی بات ہے کہ یہاں گفتگو شاعری کی ہورہی ہے اورر میں نثر میں لگاتار کلام کرتا رہوں تو یہ اس موضوع سے ہر گز انصاف نہ ہوگا۔اسی لئے آپ کی خدمت میں شاعر مشرق کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کردوں۔

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالدِ جاں باز ہے یا حیدرِ کرّار

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہیں آدم جواں ہیں لات ومنات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی

اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست ؟

کافر کی یہ پہچان کے آفاق میں گم ہے

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

یہ توفقط چند جھلکیاں ہیں۔ابھی تو پورا کلام باقی ہے۔مگر دوستوں یاد رکھنا کہ اقبال کو سمجھنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ یہاں پر وفیسر یوسف سلیم چشتی کا ذکر بھی ضرور آئے گا۔نام سے دھوکا نہ کھائیں یہ دیوبندی ہیں۔اور اقبال کے ساتھ وقت بھی گزارا ہے۔مگر اس مرد قلندر کے ساتھ رہ کر بھی ان کی خودی مثل فولاد نہ بن سکی اور پیر پرستی۔ دیوبندی مستی میں ہی زندگی گزار دی۔ حیرت کی بات ہے کہ جس کے سامنے یہ اشعار خود شاعر نے کہے ہوں اور خود اسے بات سمجھ نہ آئے ؟میری مراد ہے ارمغان حجاز کی وہ نظم بعنوان "حسین احمد" جس میں اقبال نے پورے دیوبندی مذہب کے پرخچے اڑا دیے ہیں۔اسے اپنے کانوں سے سن نے کے باوجود پروفیسر یوسف سلیم کو دیوبند کی عیاری نظر نہ آئی ؟اسی کو کہتے ہیں پیر پرستی !

اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ہمیشہ سے اہل سنت کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ حضور علیہ السلام کو معراج جسمانی ہوئی جو کہ عالم بیداری میں ہوئی اور آپ علیہ السلام نے اپنے رب کو اپنی ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا۔اس مسئلہ میں پیر نیچریت سرسید احمد خان علی گڑھی کا یہ عقیدہ اور یہ اعتراض تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ معراج ہو جسم کے ساتھ۔اس لئے اس نے یہ تاویل کی کہ دراصل یہ معراج عالم خواب میں ہوئی۔

۔اور یہ فقط اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے تھا۔اسی کے متعلق اپنے مجموعہ مقالات بنام "مقالات سرسید "میں پیر نیچری نے لکھا کہ معراج عالم خواب میں ہوئی۔اس بات کے متعلق کرم شاہ ازہری صاحب کی تفسیر

ضیاءالقرآن کی یہ بحث بھی ملاحظہ ہو:

”اسی سلسلہ میں مقالات سرسید کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا۔انہوں نے بھی بڑی شدومد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے۔ ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین اور عیسائی مورخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوئے ہیں۔اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن وتشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے۔اور عظمت مصطفوی کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے اور اللہ تعالی کے قادر مطلق ہونے کے دلائل وبراہین کو ہی کیوں منہدم نہ کرنا پڑے۔آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب ونتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے۔کیا معراج کا انکار کر کے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا ہے۔کیا آپ کی معذرت خواہی کو انہوں نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہار ناراضگی چھوڑ دیا ہے ہرگز نہیں تو پھر اس محنت کا کیا حاصل بجز اس کے کہ ان صحیح واقعات کا انکار کر کے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے۔ہاں میں اس طویل مقالہ کا ذکر کر رہا تھا۔اس میں حضرت سید نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں۔”ایک دوسرے سے اس قدر متضاد اور متناقص ہیں.......... کہ صراحتاً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صمت واعتبار کو کھو دیتی ہیں“۔مقالات سرسید ص ۲۶۷۔ ۲۶۷

لیکن تناقض وتضاد کے جو نمونے انہوں نے ذکر کیے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اس وقت حطیم میں تھے۔دوسری میں ہے کہ حجر میں تھے۔تیسری میں ہے کہ مسجد حرام میں تھے۔ذرا غور فرمایئے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے۔ حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام ہیں۔یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی، لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا اور قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا۔یہ حصہ (حطیم یا حجر)

مسجد حرام میں ہے تو ان روایات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے۔ ثم صعدبی الی السماء السادستہ فاذا موسی پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسی (علیہ السلام) کو پایا۔ دوسری حدیث میں ثم عرج بنا الی السماء السادستہ فاذا انا بموسی فرحب لی و دعا لی پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف اوپر لایا گیا۔ وہاں میں نے موسی (علیہ السلام) کو پایا۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعا کی۔ تیسری حدیث میں ہے لما جاوزت فبکی جب میں آگے بڑھا تو موسی (علیہ السلام) رو پڑے۔ آپ خود فرمایئے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تصاد ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس کے متعلق خود علماء نے تصریح کی ہے اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو خود ترجیح دے دی ہے۔ جو تضاد ممتنع ہے۔ وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں۔ کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جاسکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جاسکتا ہو۔ بہر حال یہ ان لوگوں کے شکوک و شبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔"

خیر یہ تو نیچر پرست سر سید احمد خان علی گڑھی کا باطل خیال ہے۔ اس بات کی تردید میں علمائے اہل سنت نے کافی کچھ لکھا ہے اور وہی اس شریر کی سرکوبی کو کافی ووافی ہے۔

اب میں اقبال کے وہ اشعار جن میں معراج کا ذکر ہے پیس کرتا ہوں:

پہلا شعر:

دے ولولۂ شوق جسے لذّت پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرّہ مہ و مہر کو تاراج

اب اس نظم معراج کے پہلے شعر نے ایک اہم درس دیا کہ اگر دل میں جذبۂ شوق ہے تو ایک ذرہ بھی چاند ستاروں سے آگے جاسکتا ہے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون سا شوق ہے ؟ یہ کس عشق کی بات ہو رہی ہے ؟ خود اقبال نے ایک دوسری جگہ اس بات کی وضاحت کی۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں عرض کرتے ہیں:

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے

عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

یعنی اقبال کی نظر میں وہ ولولۂ شوق دراصل عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے !

تو پورے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اے نیچریوں! تم کہتے ہو کہ میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر جسم کے ساتھ کیسے گیا؟ تو سنو! میرے آقا علیہ السلام کی تو شان یہ ہے کہ جس ذرۂ خاک میں میرے نبی علیہ السلام کی محبت جاگزیں ہو جائے وہ ایک ادنی ذرہ بھی چاند ستاروں سے آگے جاسکتا ہے۔ تو ذرا سوچو تو سہی کہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہو گا؟ ان کے لئے کتنا آسان ہو گا معراج پر جانا۔ تم اس ذرہ خاک کی پرواز کا عالم نہیں سمجھ سکے ظالموں! تو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا عالم کیا سمجھو گے۔

اب ذرا امام عشق و محبت کی زبان فیض ترجمان یعنی اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے قصیدۂ معراجیہ کو ملاحظہ فرمائیں:

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے

پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

کمان امکاں کے جھوٹے نقطو تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو

محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

کتنی حسین بات ہے کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے محبوب علیہ السلام کی نعت گوئی بھی کیا خوب انداز میں کی ہے اور رد باطل بھی کس حسن خوبی سے کیا ہے۔

یہاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی نیچری خیالات کا یوں رد کیا ہے کہ پیر نیچری سرسید نے یہ کہا کہ اس واقعہ کو عقل و گمان تسلیم نہیں کرتا۔ تو مجدد ملت طاہرہ علیہ الرحمہ نے یہ جواب دیا کہ ارے تم گمان و خرد کے ذریعہ اس بلندی کو آنکنا چاہتے ہو۔ اپنی خرد سے کہہ دو کہ وہ سر جھکالے کیوں کہ پیارے آقا کا یہ سفر عقل و گمان سے بھی بالاتر ہے۔

اور دوسرے شعر میں کہا۔ اے گمان و امکان کے نقطوں! میں تمہاری فریب کاریوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ تم اسی بحث میں پڑے ہو کہ سدرۃ المنتہی سے آگے کے سفر کا آغاز کہاں سے ہوا؟ اور سفر کس جگہ تک چلا؟ اور کہاں تک گئے؟ کس سمت گئے؟ نہیں نہیں! کبھی اندازہ نہیں لگا سکتے تم۔ تمہاری عقلیں قاصر ہیں اس بات کو سمجھنے سے۔

ہاں ایک طریقہ ہے کہ تمہیں کچھ عرفان ملے۔ وہ یہ ہے کہ محبوب علیہ السلام کے در پر آجاؤ۔ ان کی بارگاہ میں آکر علم و عرفان کی بھیک مانگو۔ تب کہیں جاکر تمہیں وہ قلندری نگاہ اور یقین کامل رکھنے والا دل نصیب ہوگا۔ اور تمہیں مسئلۂ معراج کی کچھ سمجھ آئے۔

تبصرہ

اگر یہاں دیکھا جائے تو دونو ہی حضرات کے تخیلات کا مرکز ایک ہی ہے۔ شاعر مشرق اور حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ دونو نے باطل خیالات کا در بلیغ اپنے اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے۔

اب اسی کے متعلق شاعر مشرق اقبال کا دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

دوسرا شعر:

مشکل نہیں یارانِ چمن معرکۂ باز
پُر سوز اگر ہو نفَسِ سینۂ درّاج

یہاں اقبال اپنے یاران جمن سے کہتا ہے کہ بھلا دیکھو تو! جس طرح آسمان میں باز اڑتا ہے۔ اسی طرح سے ایک مرغ بھی اڑ سکتا ہے۔ مگر شرط ہے کہ اس کے سینے میں سوز ہو۔ اب اس کلام بلاغت نظام نے کئی سوال کھڑے کر دئے ہیں۔ جن کا ہم بتوفیق الٰہی جواب دیتے ہیں۔ دراصل یہاں باز سے مراد طاقت، اور افکار افرنگ سے آزادی ہے۔ جس سے کہ ہمارے بلند کردار اسلاف کی ایک مثال دی گئی ہے۔ اور وہ مرغ آج کے مسلمان کو کہا گیا ہے۔ کہ اے لوگو! تم بھی اپنے بزرگوں کی طرح نیک بن سکتے ہو اور معرفت کے آسمان میں اونچی اڑان بھر سکتے ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ تمہارے دل میں ایک سوز ہونا چاہیے۔ اب وہ سوز کیا ہے؟
خود وضاحت کرتے ہیں۔

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

گرمئ مہر کی پروردہ، ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

پتا یہ چلا کہ اقبال کے نزدیک وہ سوز دراصل سوز عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو کجا اس مرد قلندر کے عشق نے تو یوں عرض کیا کہ یہ جو خیمۂ افلاک ہے اس کا تو استادہ بھی میری آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے۔اور یہ تمام دنیا یہ تمام عالم انہیں کے عشق کے سوز کی وجہ سے اتنا خوبصورت ہے۔اور یہ جو عالم میں نورانیت ہے،شاعر مشرق کے نزدیک یہ نورانیت بھی نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے۔سبحان اللہ!

یعنی اس پورے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمان تو بھی اسلاف کی طرح نیک بن سکتا ہے اگر تو اپنے دل میں شمع عشق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جلالے۔اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تو چین کے باغات میں آرام کرے گا اور عذاب نار سے چھوٹ جائے گا۔

اب کچھ یہی مضمون مجدد دین وملت اعلی حضرت عظیم البرکتہ علیہ الرحمہ کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے۔

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھادے گی وہ آگ لگائی ہے

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں؟

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

ذرا غور کریں اس مقام پر امام عشق و محبت نے کتنا اہم درس دیا ہے۔اور کتنے حسین انداز میں دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اے عشق میں تجھ پر قربان! کیا شان ہے عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ جو اس کو دل میں بسالیتا ہے وہ عذاب نار سے بھی چھوٹ جاتا ہے اور محشر میں سرخرو بھی ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہا کہ

جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

پھر اگلا شعر جو ہم نے نقل کیا اس میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کیا خوب فرماتے ہیں کہ یہ عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تو میری جان ہے۔ اس بنا زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔ اور رب قدیر سے دعا کی۔ مولی اس عشق میں روز بہ روز اضافہ ہو۔ اسے تو اور بڑھا مالک۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسے یہ درد مل جاتا ہے وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ پھر درد مال وزر، اس پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا۔

اگلے شعر میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے بڑی ہی پیاری زبان میں لوگوں کو ایک حدیث مبارکہ کی ترف اشارہ کیا ہے اور اسی میں۔ کلام الملوک ملوک الکلام۔ کے جلوے بکھیرے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں یہ تسریح موجود ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ تم میں سے جس سے ہو سکے تو وہ مدینہ میں انتقال کرے۔ اور یہ اس لئے کہ مدینہ میں انتقال کرنے والوں کی بخشش پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔

اب شاعر مشرق کی نظم معراج کا اگلا شعر ملاحظہ ہو

تیسرا شعر:

ناوک ہے مسلماں! ہدف اس کا ہے ثریّا

ہے سرّ سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج

یہاں پھر کتنے احسن الفاظ میں پیر نیچیری کی تردید بھی ہوئی ہے اور حضرت مسلمان کو اس کی زندگی کا مقصد بھی یاد دلایا گیا ہے۔ اسی ایک شعر کی کئی توضیحات ہو سکتی ہیں اور ہم ان تمام میں سے چند اہم ذکر کریں گے۔ ان شاءاللہ

ناوک کا مطلب ہوتا ہے "تیر" اور ہدف اس تیر کا نشانہ۔ اب غور کریں کے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ معراج فقط خواب میں ہوئی ان کو کتنی شدید تمبیہ ہے کہ اے ناآشنا انسان تو ابھی مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی نہیں سمجھ پایا اور تو معراج جیسی چیز پر زبان درازی کرتا ہے۔ اصل مقصد مومن تو یہی ہے کہ وہ اپنے رب کی بندگی کرے اور محبوب علیہ السلام سے محبت کر کے معرفت کی راہیں طے کرے اور خود کو اوجِ ثریّا تک لے جائے۔ اقبال کہتے ہیں کہ جب بندے کا مقصد ہی اونچائی پر جانا ہے تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی میں کسی کو کیسے کلام ہو سکتا ہے کہ جس کے صدقے مسلمان کو کلمہ ملا ہے۔ یاد رہے کہ اقبال اسلامی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ قرآن و حدیث کو بھی علما سے سنا کرتے تھے اور غور کیا کرتے تھے۔ یہاں دوسری تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ ثریّا سے مراد اس حدیث کی طرف اشارہ ہو جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ایک کوفی نوجوان علم حاصل کر لے گا اگرچہ وہ علم ثریّا ہی پر کیوں نہ ہو۔ یہاں علما نے تسریح کی ہے کہ یہ حدیث حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے لئے ہے۔ اب اس تشریح کے مطابق اقبال لوگوں کا ذہن اس طرف مبذول کر رہے ہیں کہ تم امام اعظم کی طرح نیک اور پارسا بنو۔ تم ان کی تقلید کرو اور اپنا ہدف امام اعظم کی ذات کو بناؤ اور وہ تمہیں حضور علیہ السلام کی سنتوں تک پہنچا دیں گے۔

اگلے مصرع میں شاعر مشرق یہ کہتے ہیں کہ جب انسان اونچائی تک چلا جاتا ہے تو جو اسرار و رموز اس پر وا ہوتے ہیں وہی راز در اصل اس کے عروج تک کے سفر کا الحاصل ہوتا ہے۔ اب اس بات کو اس سانچے میں دیکھیں کہ جب حضور علیہ السلام معراج پر گئے تو اللہ نے اپنے محبوب کو کئی اسرار و رموز سے آشنا کیا۔ احادیث اس پر شاہد ہیں۔ اور یہی اسرار و رموز آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ایک زریں پہلو ہے۔ یہاں بھی اقبال نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ بغیر علم و عرفان مسئلۂ معراج سمجھ نہیں آ سکتا۔

یہ ہے وہ حسین انداز جس میں اقبال نے محبوب علیہ السلام کی مدح سرائی بھی کی ہے اور مسلمانوں کی اصلاح و قلوب کی جلا کا سامان بھی۔ ایسی جامعیت ایسی تاثیر ایسی چاشنی کم ہی شعرا کے کلام میں نظر آتی ہے۔ یہ خدا کا

احسان ہے شاعر مشرق کو یہ تاثیر بخشی۔

اب یہی اسرار ور موز ایک عاشق صادق کی زبان سن نے کو تیار ہو جائیں۔اور جس پردہ کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے،اعلی حضرت علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں اور کیا خوب انداز میں حضور علیہ السلام کی نعت گوئی کرتے ہیں۔

جھکا تھا مجرے کو عرش اعلی گرے تھے سجدے میں بزم بالا (۱)
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں (۲)
حضور خورشید کیا چمکتے چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے (۳)
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

وہی ہیں اوّل وہی ہیں آخر وہی ہیں باطن وہی ہیں ظاہر (۴)
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

(۱)۔اس شعر میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے کتنی احسن انداز میں منظر کشی کی ہے۔واہ واہ !جب میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات عرش پر سے گزرے ہوں گے تو وہ عرش ادب میں کس قدر جھک گیا ہوگا اور کیسے

خوشی سے ان کے قدم مبارک کا بوسہ لے رہا ہو گا۔اور آس پاس کا منظر یہ دیکھ کر عرش کی قسمت پر نثار ہو رہا تھا کہ کاش آقا صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر قدم رکھتے۔

(۲)۔اب غور کرنا چاہیے کہ جب وہ سر عرش تھے تو جو ضیائیں آس پاس تھیں وہ خوشی سے جگمگانے لگیں اور عرش کے گرد آ کر انہوں نے چمکنا چاہا مگر جب خود خورشید موجود ہے یعنی پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں موجود ہیں جو سراپا نور ہیں ان کے نور کے آگے کون سی قندیل جل سکتی تھی۔

(۳)۔یہاں فرماتے ہیں کہ جیسے جیسے آقا صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھتے جاتے ایک پردے کے اٹھتے ہی ہزاروں اور پردے آجاتے گویا ایسا لگتا کہ وصل اور فرقت دونوں ہی جو ہمیشہ سے ایک دریا کے دو کنارے ہیں آج وہ مل گئے ہوں کہ ایک طرف تو ایک پردہ ہٹ رہا ہے اور دوسری طرف ہزار پردے آ جا رہے ہیں۔

(۴)۔سبحان اللہ !یہ شعر بھی امام عشق و محبت علیہ الرحمہ کا قرآن وحدیث سے مثبت ہے۔اور اس کی وجہ اگر آپ کو دیکھنی ہو تو مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کی کتاب شان حبیب الرحمن کا مطالعہ کریں۔

مختصر یہ کہ جن آیات میں ظاہر و باطن ہونے کا ذکر ہے وہاں بزرگوں نے مراد آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مراد لیا ہے۔جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے۔اور اس شعر پر اعتراض کی کوئی جگہ نہیں کیوں کہ۔اس کی بھی اگر مفصل بیان دیکھنا ہو تو شرح حدائق بخشش کا مطالعہ کریں۔

اب شاعر مشرق کی نظم معراج کا آخری شعر آتا ہے۔اور یہی وہ شعر ہے کہ جس میں مرد قلندر نے اپنی توانائیوں صرف کی کہ اس کو ایک تاریخی شعر کی حیثیت مل گئی۔اور یہی وہ شعر ہے جس سے ہمارے یہ دونو بزم نعت کے بلبل ایک دوسرے سے گہرے تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔

چوتھا شعر:

تو معنئ وَالنَّجم نہ سمجھا تو عجب کیا

ہے تیرا مد جزر ابھی چاند کا محتاج

یہی وہ مقام ہے کہ ہر شاعر اپنی نظم کے آخری شعر میں تمام توانائی صرف کرتا ہے۔اپنے تخیلات میں جولانی پیدا کر کے کیف و سرور کے گلشن آباد کرتا ہے۔ عقل و خرد میں غوطہ زن ہوتا ہے اور ایک نایاب موتی تلاش کر لاتا ہے۔اقبال کا بھی انداز یہی تھا کہ ہمیشہ اپنے آخری شعر کو وزن دار اور اتنا پر اثر بناتے ہیں کہ وہ قارئین کے دل کو چھو جاتا ہے۔

اب اس شعر کے متعلق کچھ حقائق۔کہتے ہیں تو معنی النجم نہ سمجھا تو عجب کیا؟

یہ والنجم کیا ہے؟اصل میں قرآن مجید میں ایک سورۃ ہے سورۃ النجم یہ اسی کی پہلی آیت ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال نے اسے نظم معراج میں کیوں ذکر کیا؟اس لئے کہ اسی میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر ہے۔غور کرنے کی بات ہے کہ اگر اقبال محض ایک لغو گو شاعر ہوتے تو کیوں کر یہ جانتے کہ اس نجم میں معراج کا بیان ہے۔کم از کم اتنا تو متعصبین کو بھی ماننا ہو گا کہ اقبال کی نظر میں قرآن کا ترجمہ تھا۔لیکن کس کا ترجمہ؟اشرف علی تھانوی کا؟محمود الحسن کا؟فاتح جالندہری کا؟جواب ہم بہت ہی ذمہ داری سے دیتے ہیں۔

قرآن مجید کی سورۃ النجم کے مختلف ترجمے ملاحظہ ہوں:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝

ترجمہ تھانوی

قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے

ترجمہ جالندہری:

تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے

ترجمہ مودودی:

قسم ہے تارے کی جب وہ غروب ہوا

ترجمہ تقی عثمانی:

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے

ترجمہ احمد علی:

ستارے کی قسم ہے جب وہ ڈوبنے لگے

اب ذرا غور کریں ہر شخص نے ترجمہ کیا النجم کا" تارا، ستارا "بس اس کے سوا کسی نے کوئی ترجمہ النجم کا نہیں کیا۔ مگر جب یہ آیت امام عشق و محبت کے سامنے آئی تو آپ نے اس کا وہ ترجمہ کیا جو ترجمہ بھی ہے اور تفسیر بھی۔ یاد رہے کہ صاحب تفسیر خازن نے یہی تفسیر اختیار کی ہے کہ النجم سے مراد وہی ہے جو آگے ترجمہ میں آنے والا ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اس کا یوں ترجمہ کیا:

ترجمہ کنز الایمان

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! جب یہ معراج سے اترے

اللہ! اللہ! یہ ہے وہ ترجمہ جو دل کو سکون اور روح کو چین عطا کرتا ہے۔ جس میں نعت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے بھی ہیں اور عربی قواعد و قوانین کی پاسداری بھی۔ تفاسیر پر گہری نظر بھی ہے اور احادیث پر محدثانہ نگاہ بھی۔

اور یہی وہ ترجمہ ہے جس کو اقبال نے اختیار کیا اور باقی تمام باطل پرستوں کو للکارا ہے۔ کہ اے لوگوں! تمہیں النجم کا بھی مطلب سمجھ نہ آیا؟ ارے تم چاند ستاروں کی بحث میں لگے رہے اور میرا امام علم و عرفان میں ڈوب کر وہ لکھ گیا جو حق ہے۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اقبال نے خود کہا ہے کہ میں نے ان (امام احمد رضا) کے فتوے پڑھے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ باطل میں سے کسی کو النجم کا مطلب سمجھ نہیں آیا۔ آیا تو بس امام عشق و محبت کو آیا۔ تب اس نے یہ للکار باطل کے خلاف بلند کی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے مدوجزر کا ذکر کیوں کیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اسلامی نکتۂ نظر میں دنیا ساکن ہے رکی ہوئی ہے، اور اسی موضوع پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے کتابیں بھی لکھیں ہیں۔ مثلاً فوز مبین وغیرہ، اقبال کی اس بات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جن لوگوں کا مدوجزر یعنی ہائی ٹائیڈ ولو ٹائڈ

بھی اس بات کا محتاج ہو کہ اس میں چاند کا دخل ہو۔ یعنی وہ نیچری لوگ جو نیچر کو ہی سب کچھ مانتے ہیں، انہیں النجم کا معنی سمجھ نہیں آسکتا۔ اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ قدرت کے ہر امر کو مرضئ الٰہی پر موقوف کیا جائے اور یہ وہی کر سکتا ہے جو سائنس کی ناقص تحقیقات کو پرے رکھ کر ان پر تنقید کرتا ہو اور اتنی جرائت رکھتا ہو کہ انہیں بھی چیلینج کر سکے، اور حقیقت یہی ہے کہ چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے سوا ایسا اور کوئی نظر نہیں آتا۔

یہ تھی اس فقیر حقیر کی چند ناقص گذارشات کو اپنے قارئین سے رکھتا تھا۔

الحمد لله علی احسانه و صلی الله تعالی علی سیدنا و مولانا محمد المصطفی و علی آله و صحبه اجمعین الی یوم الدین

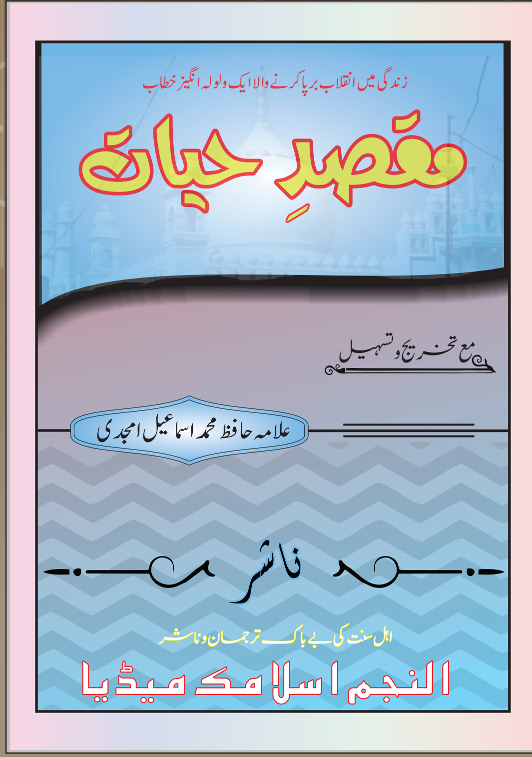
رسالۂ ھذا ۱۴ ارجب المرجب ۱۴۴۰ بمطابق ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ کو پرا ہوا

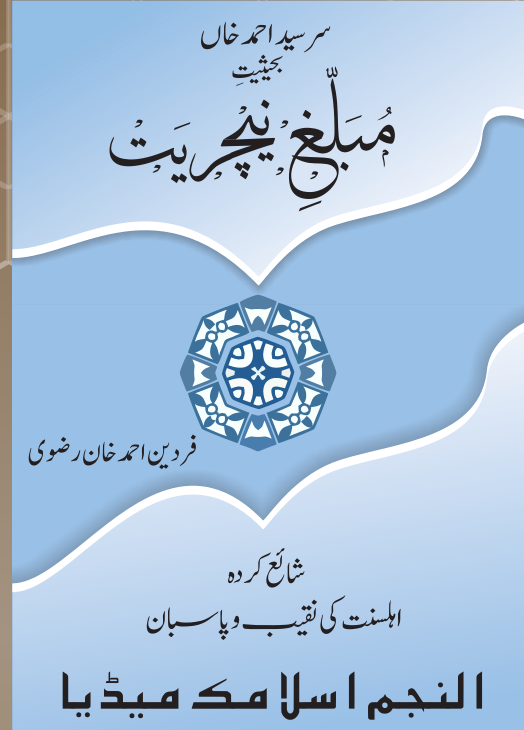
سگ بارگاہ تاج الشریعہ علیہ الرحمہ

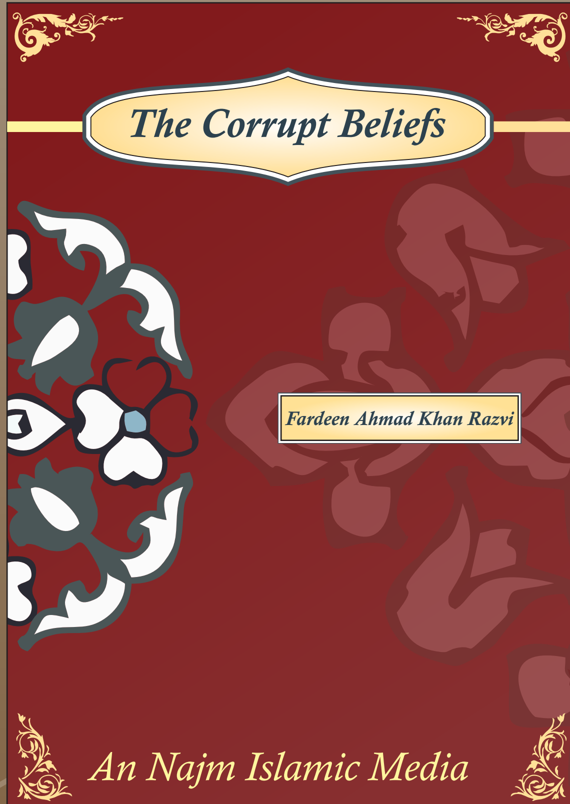
فردین احمد خان رضوی

ہماری دیگر مطبوعات

download at archive.org/@an_najm_dar_ut_tahqeeq









Find An Najm Islamic Media on





Youtube Instagram Facebook